فروعی اختلاف باعث رحمت ہے

(علامہ غلام نصیر الدین چشتی)

قسطِ اول

(۱) فقہی اختلافات کو بنیاد با کر بعض لوگ ''فقہ'' کی حیثیت کم کرنے کی کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں اور عام مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی فکر میں ہیں کہ فقہی مذاہب کے بانی امت مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ حالانکہ انتشار ''مخالفت'' کے نتیجہ میں واقع ہوتا ہے ''اختلاف'' کے نتیجہ میں نہیں۔ (اور پھر فقہاء کرام کا اختلاف مسائل میں ہے ذاتیات میں نہیں)

اِختلاف اور خلِاف (مخالفت) میں فرق:

ان الاختلاف من آثار الرحمة يشهد بذلك تصاريف الغة يقال "اختلاف القوم" اذاكان مقصود هم واحدًا وطريقهم متعدداً ويقال "خالف القوم" اذاكان مقصود هم متعدداً وطريقهم ايضا۔

یعنی اختلاف (مجتہدین کا در فروعات) آثار رحمت میں سے ہے اور اس پر محاوراتِ زبان ولغت شاہد عادل ہیں۔ اختلاف کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب قوم کی منزل ایک ہو اور راستے جدا جدا۔ اور مخالفت کا معنی ہے کہ ہر ایک کی منزل مقصود بھی الگ الگ ہو اور راہیں بھی جدا ہوں۔

(کفایہ بحوالہ فصول الحواشی شرح اصول الشاشی ص۔۳۰۶ حاشیہ نمبر۔۲)

نیز مخالفت بلا دلیل قول کو کہتے ہیں اور اختلاف دلیل سے بات کرنے کو کہا جاتا ہے (اور آج تو عجیب ہوا چلی ہے کہ فرقۂ دشمنِ فقہ اور عقل وقیاں کا مخالف منطق (قیاس) کی قوت کا قائل ہی نہیں بلکہ وہ اپنے باطل اور بیہودہ نظریات کے پھیلاؤ کے لیے قوت کی منطق کا قائل نظر آتا ہے اور اس پر کاربند ہے۔ انهم لايعتقدون بقوة المنطق بل يعتقدون بمنطق القوة

اہل علم کا اِختلاف باعث رحمت ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم غزوہ احزاب سے لوٹے تو آپ نے ہم سے فرمایا "بنو قریظہ میں پہنچ کر ہی نماز عصر پڑھنا"۔ راستہ میں نماز کا وقت آ گیا بعض صحابہ نے کہا جب تک ہم بنو قریظہ میں نہ پہنچ جائیں نماز نہیں پڑھیں گے اور بعض صحابہ نے کہا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد نہیں تھی، ہم نماز پڑھیں گے۔ بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان میں سے کسی فریق کو ملامت نہیں کی۔
(صحیح بخاری۔ ج ۱ ص۔۱۲۹ انور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۰۵ھ)

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

عن حمید قال: قلت لعمربن عبدالعزیز: لوجمعت الناس علی شیٔ _ فقال مایسرنی انهم لم یختلفوا. قالٰ ثم کتب الی الآفاق او الی الامصار لیفضی کل قوم بما اجتمع علیه فقهاء هم" (امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی متوفی ۲۵۵ھ سنن دارمی ج۔۱ ص۔۱۲۲ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

ترجمہ:۔ حمید کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا کاش آپ تمام فقہاء کو ایک مسلک پر مجتمع کر دیتے! عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اگر فقہاء اختلاف نہ کریں تو میں اس سے خوش نہیں ہوں۔ پھر عمر بن عبدالعزیز نے تمام شہروں میں یہ حکم بھیجا کہ ہر شہر کے لوگ اس حکم پر عمل کریں جس پر ان کے فقہاء کا اتفاق ہو۔

عن عون بن عبدالله قال: ما احب ان اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم لم یختلفوا' فانهم لواجتمعوا علی شیٔ فترکه رجل ترک السنة ولواختلفوا فاخذ رجل بقول احد اخذ بالسنة (سنن دارمی ج۔ا ص۔۱۲۲)

عون بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں اختلاف نہ ہو' کیونکہ اگر تمام صحابہ کا کسی ایک بات پر اتفاق ہوتا اور پھر کوئی شخص اسکو ترک کر دیتا تو وہ تارک سنت ہوں اور جب صحابہ کا اختلاف ہے تو جس صحابی کے قول پر بھی کوئی عمل کریگا وہ سنت کو پالے گا۔

مروان بن حکم بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عثمان بن عفان نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایہ کہ دادا (کی میراث) کے متعلق میری ایک رائے ہے اگر تم اسکی اتباع کرنا چاہو تو اتباع کرلو۔ حضرت عثمان نے کہا' اگر ہم آپ کی رائے کی اتباع کریں تو وہ بھی ہدایت ہے اور اگر ہم آپ سے پہلے خلیفہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی رائے کی اتباع کریں تو انکی رائے بھی صحیح تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (میراث میں) دادا کو باپ قرار دیتے تھے۔ (سنن دارمی ج۔ا ص۔۱۲۲)

علامہ علی (۲)متقی نصر مقدسی' بیھقی (۳)حلیمی (۴)' قاضی حسین (۵)اور امام الحرمین کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔

اختلاف امتی رحمۃ: (حسام الدین ہندی ۹۷۵ھ کنز العمال ج۔اص۔۱۳۶ بیروت)

علامہ مناوی نے اسکی تائید میں امام بیھقی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اصحابي بمنزلة النجوم في السماء فايهم اقتديتم اهتد يتم واختلاف اصحابي رحمة۔

(علامہ محمد عبدالرؤف مناوی فیض القدیر ج۔اص۔۲۰۹ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۱ھ)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں تم نے ان میں سے جسکی بھی اقتداء کرلی ہدایت پا جاؤ گے اور میرے اصحاب کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔

ائمہ اربعہ کا اِختلاف رحمت ہے:

شارح مسلم شریف لکھتے ہیں۔

ائمہ اربعہ کے اختلاف کا ثمرہ امت کے لیے وسعت عمل کی گنجائش ہے جو حدیث نبوی کے مطابق امت کے حق میں عین رحمت ہے' مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دریائی جانوروں کا کھانا جائز ہے۔ جبکہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھلی کے سوا باقی دریائی جانوروں کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اور اتفاق یہ ہے کہ ملائیشیا اور انڈونیشیا کے جزائر کے رہنے والے بالعموم شافعی ہیں اور وہ امام شافعی کے اجتہاد سے فائدہ اٹھا کر سمندر جانوروں سے غذا حاصل کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس عورت کا خاوند گم ہو جائے وہ اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتی جب تک کہ اس کے خاوند کے ہمعصر تمام لوگ فوت نہ ہو جائیں یا کم از کم اسکی عمر ستر سال نہ گزر جائے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چار سال بعد اس شخص کو مردہ تصور کرلیا جائے گا اور پھر عدت وفات گزار کر وہ عورت دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور اگر اس عورت کے لیے عزت اور معاش کا مسئلہ ہو تو ایک سال کے انتظار کے بعد وہ عورت دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ اس قسم کی صورت جب پیش آتی ہے تو حنفی علماء بھی امام مالک کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ ضرورت کی بناء پر ایک مفتی دوسرے امام کے قول پر فتویٰ

دے سکتا ہے' اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی کفالت نہ کرسکتا ہو اور بیوی کو طلاق بھی نہ دیتا ہو اس صورت میں امام ابوحنیفہ ان کے درمیان تفریق کی اجازت نہیں دیتے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسی صورت میں قاضی ان کے درمیان تفریق کرسکتا ہے' اس طرح بہت سے مسائل ہیں جن میں ائمہ کے اختلاف کی وجہ سے عمل کی بہت سی راہیں اور سہولت کے بہت سے پہلو سامنے آگئے ہیں اور مسلمانوں کے عمل کے لئے بہت سہولت ہوگئی ہے کیونکہ ضرورت کی بناء پر ایک امام کا مقلد دوسرے امام کے قول پر عمل کرسکتا ہے۔ البتہ بلاضرورت شرعی ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ محض آسانی کیوجہ سے دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا اس لیے جائز نہیں ہوگا کہ اس سے وہ شخص اپنی خواہش کا متبع کہلائے گا دین کا متبع نہیں ہوگا' لہٰذا خاص وجوہ کی بناء پر اور وہ بھی شرائط کے ساتھ ورنہ ہر شخص ہوائے نفس کا شکار نہ ہو۔ باقی رہا تقلید کی ضرورت اور قرآن وسنت سے اس پر دلائل کا مسئلہ تو وہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے اس پر گفتگو آئندہ نشست میں ہوگی انشاءاللہ تعالیٰ۔

ائمہ اربعہ دامت برکاتہم العالیہ کے اِختلاف کا سبب کیا تھا:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۵۰ھ...... امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۷۹ھ۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۴۱ھ...... امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۰۴ھ یہ تمام ائمہ کرام مسلک اہل سنت کے حامل تھے۔ انہی کے پیروکاروں اور مقلدین کو سواد اعظم اہلِ سنت کہا جاتا ہے۔ دینِ اسلام کے اصول وفروع میں چاروں ائمہ متفق ہیں۔ بعض فقہی جزئیات میں ان ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ اس اختلاف کے اسباب اور وجوہ کی اس مقالہ میں ہم تحقیق پیش کریں گے۔ مثلاً ان اسباب میں ایک عام سبب یہ تھا کہ ہر امام کا ایک الگ اصول تھا۔ مثلاً ایک مسئلہ میں اگر متعدد' مختلف اور (بظاہر) متعارض احادیث وارد ہوں تو اس صورت میں امام شافعی (قوت سند) کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں۔ امام مالک اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جس پر (اہلِ مدینہ) کا تعامل ہو۔ امام احمد بن حنبل ایسی صورت میں متقدمین کی اکثریت کا لحاظ کرتے ہیں اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی صورت میں تمام متعارض احادیث کو سامنے رکھ کر منشاء رسالت تلاش کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو ایسی صورت اختیار کرتے ہیں جس میں تمام متعارض احادیث جمع ہو جائیں۔ ہر حدیث کا الگ الگ محمل متعین ہو جائے۔ ائمہ کا یہ اختلاف بالکل نیک نیتی کے ساتھ تھا۔ یہ وہی اختلاف ہے جسکے بارے میں حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اختلاف امتی رحمة۔ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

اجتہاد میں اِختلاف کا فائدہ:

صحابہ کے اجتہادات میں اختلاف کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قانون کی دنیا میں وسعت ہوئی اور لوگوں کو عمل درآمد میں سہولت ہوئی جیسا کہ:

''اختلاف امتی رحمة (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) کی تفسیر یہ منقول ہے۔

''توسعة عليهم وعلى اتباعهم فى وقائع الاحوال المتعلقة بفروع الشريعة''
(الشعرانی کتاب المیزان ج۔افصل فان قلت الخ)

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے:ما احب ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لايختلفون لانه لو كان قولا واحداً لكان الناس فى ضيق وانهم ائمة يقتدى بهم فلو اخذ رجل بقول احد هم لكان سنة. (شاطبی۔الاعتصام ج۔۴'ص۔۱۱)

میں اس بات کو پسند نہیں کرتا ہوں کہ رسول اللہ کے اصحاب اختلاف نہ کرتے کیونکہ اگر ایک قول ہوتا تو لوگ تنگی میں مبتلا ہو جاتے اور وہ تمام امام ہیں جن کی پیروی کی جاتی ہے۔آدمی ان ائمہ مجتہدین میں سے جس کسی کے قول پر بھی عمل کرے گا وہ سنت کو پالے گا۔

دائرہ اجتہاد:

قرآن مجید اور احادیث سے جو عقائد ثابت ہیں ان میں اجتہاد نہیں ہوتا۔مثلاً توحید' رسالت' ملائکہ' تقدیر' بعث بعد الموت اور جزاء وسزا وغیرہ۔اسی طرح جو امور احادیث متواترہ اور اجماع سے ثابت ہیں ان میں بھی اجتہاد نہیں ہوتا۔

قرآن مجید اور احادیث کی صریح عبارات سے جو احکام ثابت ہیں ان میں بھی اجتہاد نہیں ہوتا۔ جیسے پانچ نمازیں' نمازوں کی رکعات' ایک ماہ کے روزے' زکوٰۃ اور سونے چاندی اور مویشیوں میں مقدار نصاب' حج اور عمرہ وغیرہ' جو چیزیں قرآن مجید اور احادیث کی صریح عبارات سے ثابت ہیں ان میں اجتہاد نہیں ہے' نہ ان میں تقلید ہوتی ہے۔اجتہاد کی ضرورت قرآن مجید اور احادیث میں کسی لفظ کے متعدد معانی میں سے کسی ایک معنی کی تعین کے لیے ہوتی ہے یا قرآن مجید اور احادیث میں جو بظاہر

متعارض آیات اور متعارض احادیث ہوتی ہیں ان میں کسی ایک آیت یا حدیث کو ترجیح دینے کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے یا جن پیش آمدہ مسائل کا صریح اور صاف حکم قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں مذکور نہ ہو اس کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

امام غزالی لکھتے ہیں:۔

اعتقادی مسائل میں اجتہاد نہیں کیا جاتا کیونکہ ان میں نظریاتی اختلاف جائز ہے اور نہ تمام نظریات حق ہیں صرف ایک نظریہ حق اور صحیح ہے اور باقی باطل اور غلط ہیں اور صحیح نظریہ کا حامل ہی فکر صحیح کا حامل ہے اور باقی گنہگار ہیں۔ جیسے پانچ نمازوں اور زکوٰۃ کی فرضیت یا وہ ضروریات دینیہ جو عقائد قطعیہ سے ثابت ہیں اور جن پر تمام امت کا اتفاق ہے' یہ چیزیں دائرہ اجتہاد میں نہیں ہیں اور جو شخص ان میں سے کسی چیز میں اختلاف کریگا وہ گنہگار ہوگا (بلکہ کافر ہوگا۔سعیدی)۔

اس لیے دائرہ اجتہاد میں مسائل فرعیہ عملیہ میں جن میں اختلاف کرنے والا گنہگار نہیں ہے۔ اگر اس کی فکر صحیح نتیجہ پر پہنچی تو اس کے لیے دو اجر ہیں ورنہ ایک اجر ہے۔ (المستصفیٰ ج۔۲' ص۔۳۵۴ مطبوعہ مصر امام غزالی)۔

مجتہدین کے چھ طبقات ہیں:

مجتہد فی الشرع: یہ ائمہ مذاہب ہیں جو اصول اجتہاد وضع کرتے ہیں۔

مجتہد فی المذہب: یہ ائمہ کے تلامذہ ہیں جو اصول اجتہاد میں اپنے استاذ کی پیروی کرتے ہیں اور احکام فرعیہ میں اپنے استاذ سے دلائل کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔

مجتہد فی المسائل: یہ اصول اور فروع میں ائمہ مجتہدین کے پیروکار ہیں اور جن مسائل میں امام سے صریح روایت منقول نہ ہو ان میں اجتہاد کرتے ہیں۔

اصحاب تخریج: یہ قول مجمل کی تفصیل کرتے ہیں۔

اصحاب ترجیح: یہ فقہاء کے مختلف اقوال میں سے ایک کو ترجیح دیتے ہیں۔

اصحاب تمیز: یہ لوگ فقہی روایات میں مفتیٰ بہ اور غیر مفتیٰ بہ قول اور قوی اور ضعیف کی تمیز رکھتے ہیں۔

(علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ ردالمحتار ج۔۱' ص۔۷۲۔استنبول)

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا میں نے عزم کرلیا ہے کہ لوگوں کو موطا (موطا امام مالک) کا حامل بناؤں جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو حامل قرآن بنایا تھا آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو ''موطا'' کا حامل بنانے کی کوئی صورت نہیں اور انہوں نے احادیث پھیلائیں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام مختلف شہروں میں اقامت گزین ہوگئے اور ہر شہر کے لوگوں کے پاس علم ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے: اختلاف امتی رحمة ' میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

فروعی مسائل میں اختلاف کے اہم اسباب

س۔ فروعی مسائل اور فقہی جزئیات میں اختلاف کیوں پایا جاتا ہے؟

ج۔ اصول وقواعد میں اختلاف کی وجہ سے۔

س۔ اصول وقواعد میں اختلاف کیونکر پیدا ہوا؟

ج۔ اس کے متعدد اسباب اور وجوہ ہیں جن میں سے بعض اہم اسباب یہ ہیں:۔

۱۔ (قرآنی) قراءتوں میں اختلاف ہونا۔

۲۔ حدیث پر مطلع نہ ہونا۔

۳۔ ثبوت حدیث میں شک اور عدم اطمینان کا پایا جانا۔

۴۔ ایک لفظ کا دو یا اس سے زائد معانی کے لیے مشترک ہونا۔

۵۔ نص (آیت یا حدیث) کے فہم اور تفسیر میں اختلاف آراء کا پایا جانا۔

۶۔ دلائل میں تعارض کا پایا جانا۔

۷۔ کسی مسئلہ میں نص صریح کا دستیاب نہ ہونا۔

یہ وہ اسباب اور وجوہ تھے جنکی بناء پر بنیادی قواعد اور اصول کی وضع میں ائمہ مجتہدین کے مابین اختلاف پیدا ہوا پھر نتیجتاً فروعات میں بھی اختلاف ہوگیا۔ اب تفصیل کے ساتھ ان اسباب کا اختلاف قرآن اور حدیث کی روشنی میں اور پھر فروعات اور مسائل قیاسیہ میں ائمہ مجتہدین کے اختلافات کو بیان کیا جاتا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

سبب اوّل: اختلاف القراءات

فقہاء کے درمیان اختلاف (مسائل فروعیہ میں) کے منجملہ اسباب میں سے ایک سبب قراءتوں کا اختلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق تواتر مختلف قراءتیں منقول ہیں اور یہ اختلاف القراءات مسائل فروعیہ کے استخراج اور فقہی جزئیات کے استنباط میں اختلاف کا ایک اہم سبب ہے۔ اسکی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

''وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے یا ان پر مسح کرنا؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یایھاالذین امنو إذا قمتم إلى الصلوٰة فاغسلوا وجوھکم وایدیکم إلى المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم إلى الکعبین. (سورہ المائدہ:٦)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جب نماز کے لیے کھڑے (ہونیکا تمہارا ارادہ) ہو (اور تمہارا پہلے وضو نہ ہو) تو اپنے چہرے دھولو اور اپنے ہاتھ کہنیوں سمیت اور اپنے سروں کا مسح کرو اور ٹخنوں سمیت اپنے پاؤں (دھولو)۔

قرآن مجید کی اس محولہ بالا آیت کریمہ میں دو متواتر قراءتیں ہیں۔ امام نافع، ابن عامر، امام کسائی اور امام حفص وغیرہ نے نصب کے ساتھ (وَأرْجُلَکُمْ) پڑھا ہے۔ اور ابن کثیر، ابوعمرو اور حمزہ نے جر کے ساتھ (وَأرْجُلِکُمْ) پڑھا ہے۔ اب یہ قرأت کا اختلاف سبب بنا کہ آیا وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے یا ان پر مسح کرنا فرض ہے۔ اب (ارجلِکم) لام پر نصب والی قرأت کے مطابق اس کا عطف (ربط) ''ایدیکم'' پر ہوگا (ہاتھ دھونے پر) اس صورت میں معنیٰ ہوگا کہ پیروں کو دھوؤ۔ دوسری قرأت (ارجلِکم) یعنی لام کے جر کے ساتھ ہے۔ اور اس صورت میں اس کا عطف (رؤوسکم) (سر پر مسح کریں) پر ہوگا۔ اور اس قرأت کے بموجب معنیٰ ہوگا: پیروں پر مسح کرو۔

اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے اور ان پر مسح کرنا حرام ہے اور شیعہ حضرات کا مسلک ہے کہ پیروں پر مسح کرنا فرض ہے یہ لوگ کہتے ہیں قرآن کریم میں (ارجلِکم) کے لام پر جر والی قرأت سے ہمارا مسلک ثابت ہے۔

جمہور نے نصب والی قرأت کو لیا ہے اور انکا مذہب یہ ہے کہ وضو میں پیروں کا دھونا فرض ہے نہ کہ مسح کرنا۔ جمہور اپنے مذہب کی تائید اور تقویت کے لئے حسب ذیل امور پیش کرتے ہیں۔

اوّلاً وہ احادیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیروں کے دھونے کے بارے میں آئی ہیں۔

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وضو کرتے دیکھا تو کہا اے عبدالرحمٰن! اچھی طرح مکمل وضو کرو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (ویل للا عقاب من النار) یعنی خشک ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ (مسلم:۴۷۴)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے جس وقت ہم آپ کے پاس پہنچے تو عصر کی نماز کا وقت آچکا تھا۔ ہم وضو کرنے لگے اور پاؤں پر مسح کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند فرمایا (خشک) ایڑیوں کو آگ کا عذاب ہوگا۔ (مسلم شریف: ۴۸) بخاری کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار بآواز بلند فرمایا (خشک) ایڑیوں کو عذاب ہوگا۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے وضو میں ایڑیوں کو نہیں دھویا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو دیکھ کر فرمایا (خشک) ایڑیوں کیلئے جہنم کا عذاب ہے۔ (مسلم۔۴۷۱)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اس کے پیر میں ایک ناخن کے برابر جگہ دھلنے سے رہ گئی۔ حضور ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا ''جاؤ دوبارہ اچھی طرح سے وضو کرو۔ (مسلم:۴۸۳)

۴۔ نعیم ابن عبداللہ مجمر بیان کرتے ہیں۔ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو وضو کرتے دیکھا انہوں نے اپنا پورا چہرہ دھویا۔ پھر دایاں ہاتھ بازو تک دھویا۔ پھر بایاں ہاتھ بازو تک دھویا۔ پھر سر کا مسح کیا۔ پھر دایاں پیر پنڈلیوں تک دھویا پھر بایاں پیر پنڈلیوں تک دھویا۔ پھر کہنے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مومن وضو کرتا ہے تو جس وقت چہرہ دھوتا ہے تو جیسے ہی چہرہ سے پانی گرتا ہے اسکے وہ گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس نے اپنی آنکھوں سے کئے تھے اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو جیسے ہی ہاتھوں سے لگ کر پانی کے قطرے گرتے ہیں اس کے وہ گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس نے ہاتھوں سے کئے تھے اور جب وہ اپنے پیروں کو دھوتا ہے تو جیسے ہی اس کے پیروں سے پانی گرتا ہے اس کے وہ گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس نے اپنے پیروں سے کئے تھے۔ (مسلم شریف)

نحاس نے ابن عباس سے روایت کیا۔ انه قراء وارجلکم بالنصب یقول رجعت الی الغسل اور ابن حاتم نے حضرت علی سے روایت کیا ''انه قراء وارجلکم بالنصب قال عاد الی الغسل۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول مروی ہے کہ میرے نزدیک پاؤں کا کاٹ ڈالنا اس سے بہتر ہے کہ میں پاؤں میں موزے نہ ہونے کی حالت میں پیروں پر مسح کروں۔
(غایته السعایه ج ،ص۔۱۶۷)

امام محمد باقر بطریق زین العابدین بواسطہ حسن بن علی حضرت علی سے راوی ہیں کہ آپ نے وضو فرمایا اور دونوں پاؤں دھوئے پھر فرمایا میں تمہیں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ وضو کس طرح کرتے تھے آپ کا طریقہ بھی یہی تھا۔ جس طرح میں نے وضو کیا ہے۔

اس طرح حارث نے حضرت علی سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں پاؤں دھویا کرو جیسا کہ تمہیں حکم ہے۔

ثانیاً: ان الثابت من فعل النبی ﷺ فی الوضوء غسل القدمین أو المسح علی الخفین.
حضور اکرم ﷺ کے فعل سے وضو میں یا تو دونوں پیروں کا دھونا ثابت ہے یا موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔

ثالثاً: اللہ تعالیٰ نے وضو میں دونوں پیروں کی ٹخنوں تک تحدید فرمائی جس طرح ہاتھوں میں کہنیوں تک کی تحدید ہے اور یہ دلیل ہے ہاتھوں کی طرح پیروں کا دھونا فرض ہے کیونکہ مسح میں تحدید معہود و معلوم نہیں ہے۔ (تحدید یعنی حد لگانا)

جر والی قرأت کی تاویلات کا بیان:

جواب یہ ہے کہ کسرہ محض مجاورۃ اور قرب کے لحاظ سے ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی وغیرہ نے اسکی تصریح کی ہے اور قرآن پاک و اشعار عرب میں اسکے نظائر بکثرت موجود ہیں۔ کقولهم جُحرُ ضَبٍّ خَرِبٍ لفظ خرب کے کسرہ کے ساتھ۔ حالانکہ یہ جحر کی صفت ہے۔ اور دراصل مرفوع ہے۔ اسی طرح ماء بئرٍ باردٍ لفظ بارد قریب والے لفظ کے لحاظ سے مجرور ہے۔ اور اصل میں یہ ماء کی صفت ہے اور اسکو مرفوع ہونا ہوتا ہے۔

(روؤسکم) ایدیکم پر معطوف ہے اور قریب والے لفظ کے لحاظ سے اس پر جر ہے۔ جس کو جر

جوار کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَارٍ وَ نُحَاسٍ (سورہ الرحمٰن: ۳۵) نحاس پر قریب والے لفظ کے لحاظ سے جر پڑھا گیا ہے حالانکہ معنی کے لحاظ سے یہ مرفوع ہے کیونکہ اس کا معنی ہے دھواں۔

نوٹ:۔ صاحب کشاف نے اسکی حکمت یہ بیان کی ہے کہ پاؤں چونکہ پانی بہا کر دھوئے جاتے ہیں۔ جس میں اسراف مذموم (بے جا اسراف) کا امکان ہے اس لئے ارجلکم کا عطف برؤسکم پر کیا جو ممسوح ہیں تا کہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ پانی بہانے میں اسراف نہیں ہونا چاہئے۔

لیکن اس میں کسی کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ شاید پاؤں پر بھی مسح کا حکم ہے اس لئے اس گمان کا قلع قمع کرنے کے لئے الی الکعبین کے الفاظ سے تحدید بیان فرما دی تا کہ واضح ہو جائے کہ پاؤں میں فرض دھونا ہے نہ کہ مسح کرنا کیونکہ مسح میں تحدید معہود نہیں۔ شریعت میں عنایت اور تحدید صرف دھونے میں بیان ہوتی ہے۔ مسح میں نہیں۔

نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں ارجلکم کا عطف روؤسکم پر صرف لفظی احکام میں ہے معنی کے لحاظ سے نہیں۔ اور اہلِ عرب ایک شئی کا عطف دوسری شئی پر ایک فعل میں کر دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ فعل صرف ایک شئی کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ جیسے محاورہ ہے: اكلت الخبز واللبن أی وشربت اللبن اور شاعر کا قول ہے۔

علفتها تبناً وماء بارداً = حتى غدت همالةً عينا ها

اور اسی طرح۔

اذا ماالغانيات برزن يوماً = وزججن الحواجب والعيونا

أى و كحلن العيون

شارح مسلم اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس کے متعدد جواب ہیں ایک یہ ہے کہ قرآن کریم کی دو متواتر قرأتوں میں تضاد نہیں ہو سکتا کہ ایک قرأت سے پیروں کو دھونا ثابت ہو اور دوسری سے مسح اس لئے لامحالہ ان میں تطبیق دینی ہوگی اور تطبیق کی ایک صورت یہ ہے کہ وضو کرنے والے کے دو حال ہیں ایک یہ کہ وہ چرمی موزہ پہنے ہوئے ہو اس صورت میں کسرہ (زیر) والی قرأت کے مطابق مسح کرے۔ دوسرا حال یہ ہے کہ وہ چرمی موزہ نہ پہنے ہوئے ہو اس صورت میں نصب (زبر) والی قرأت کے مطابق وہ پیروں کو دھوئے۔ (امام شافعی فرماتے ہیں کہ نصب کی صورت پھاؤں دھونے کے لئے ہے۔ اور جر کی صورت اثبات جواز مسح علی الخفین کے لئے ہے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ آیت کی

بابت امام شافعی کا قول احسن الاقوال ہے۔ابن الجوزی نے بھی اسکی تحسین کی)۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مسح مجازاً دھونے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔عرب والے کہتے ہیں (مَسَحَ الارضَ المطرُ) بارش نے زمین کو دھوڈالا۔اس اعتبار سے زیر والی قرأت میں ارجلکم کا عطف اگرچہ رؤسکم پر ہے لیکن مجازاً معنی پیروں کو دھونا ہے اور مجاز پر محمول کرنے کا قرینہ وہ بے شمار احادیث ہیں جن میں پیروں کے دھونے کا حکم ہے اور مسح کرنے پر عذاب کی وعید ہے۔

شیعہ امامیہ کا مسلک:

شیعہ امامیہ نے جر والی قرأت پر اعتماد کیا ہے انکا مذہب ہے کہ وضو میں پیروں پر مسح کرنا فرض ہے اور نصب والی قرأت کی شیعہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ یا تو یہ جار مجرور کے محل پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے اور یا برؤسکم میں باء حرف زاید ہے اور ارجلکم کا عطف رؤس منصوب کے محل پر ہے۔اسی طرح شیعہ نے پیروں پر مسح کرنے کے ثبوت میں حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایتوں سے استدلال کیا ہے۔

موسیٰ بن انس روایت کرتے ہیں میں نے حضرت انسؓ سے کہا اے ابوحمزہ! حجاج (بن یوسف) نے (مقام) اھواز میں جب ہم اسکے ساتھ تھے خطبہ دیتے ہوئے وضو کا ذکر کیا اور کہا۔

''اغسلوا وجوهكم وأيديكم وامسحوا برئووسكم وارجلكم' وأنه ليس شئ من ابن آدم أقرب اخبثه من قدميه فاغسلوا بطو نهما و ظهور هما وعراقيهما' فقال انس: صدق الله وكذب الحجاج' قال الله ''وامسحوا برئووسكم وأرجلكم''

ترجمہ: اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھوؤ اور اپنے سروں اور پاؤں کا مسح کرو آدمی کے پیروں سے بڑھ کر کوئی عضو نجاست کے زیادہ قریب نہیں ہوتا تم اپنے دونوں پیروں کے اوپر اور نیچے کے حصوں کو اور ایڑیوں کو دھوؤ۔

حضرت انسؓ نے فرمایا: اللہ سچا ہے اور حجاج جھوٹا۔اللہ کا ارشاد ہے کہ اپنے سروں اور پیروں کا مسح کرو۔

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنے پاؤں پر مسح کرتے تو ان کو تر کر لیتے تھے۔

وكان أنس إذا مسح قدميه بلهما.

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

نزل القرآن بالمسح والسنة بالغسل. (قرآن کریم میں مسح کرنے کا حکم آیا ہے اور حدیث پاک میں دھونے کا)۔

حضرت عکرمہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: الوضوء غسلتان و مسحتان 'وضو میں دو چیزوں کے دھونے کا اور دو چیزوں پر مسح کا حکم ہے۔(طبری ۱۰/ ۵۸)

جواب:۔ صاحب نیل الأوطار (دیکھئے ۱/ ۱۶۹) امامیہ پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امامیہ کا مذہب قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی قولی اور فعلی متواتر احادیث کے مخالف ہے اور انہوں نے کوئی واضح دلیل اپنے مسلک پر نہیں دی ہے۔اور میں نہیں جانتا کہ وہ احادیث متواترہ کا کیا جواب دیتے ہیں۔

ظاہریہ کا مذہب:

اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ وضو کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ مسح اور غسل (دھونا) دونوں کو جمع کرے تا کہ دونوں قرأتوں پر عمل ہو سکے۔

ابن جریر طبری کا مذہب یہ ہے کہ وضو کرنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے پیروں پر مسح کرے اور چاہے تو ان کو دھو لے۔

اس مقام پر اگر یہ سوال کیا جائے کہ قرأتوں کے اختلاف اور ان کے تنوع میں کیا حکمت تھی؟

جواب:۔ علامہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں (دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن قرأتوں کا بیان)

ترجمہ:۔ بعض متقدمین علماء نے فرمایا کہ "قرأتوں کے اختلاف اور ان کے تنوع میں بہت سے فوائد مضمر ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے امت کے لئے آسانی اور سہولت مہیا کرنا مقصود ہے۔

۲۔ امت محمدیہ کی دوسری امتوں پر عزت و کرامت کو ظاہر کرنا مقصود تھا کہ دیگر امم سابقہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے جو کتب ان کے نبیوں کے ذریعے اتاریں وہ ایک لغت اور ایک طریقہ پر نازل ہوئیں۔

۳۔ تیسرا فائدہ یہ کہ امت محمدیہ کے لئے ثواب کا بڑھانا مدنظر تھا کیونکہ امت کے لوگ قرآن مجید کی قرأتوں کی تحقیق' اس کے ایک ایک لفظ کے ضبط میں لانے حتیٰ کہ مدّوں کی مقداریں اور امالوں

دلالت سے حکم و احکام کے استنباط اور توجیہہ، تعلیل اور ترجیح کو منکشف کرنے میں غور و خوض کر کے بے حد ثواب کے مستحق ہوں گے۔

۴۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی کتاب کے اسرار کا اظہار کرنا اور یہ دکھانا مقصود تھا کہ اس میں قرأتوں کے اس قدر اختلاف اور بے شمار وجوہ کے احتمال کے باوصف کس طرح اسے تبدیل اور اختلاف سے محفوظ رکھا گیا ہے۔

۵۔ قرآن مجید کے ایجاز و اختصار سے اس کے اعجاز (معجز ہونا) کی بلندی اور رفعت کو آشکارا کرنا تھا کہ قرأتوں کا اختلاف اور تنوع بمنزلہ آیتوں کے لئے ہے اور اگر ہر ایک لفظ کی دلالت ایک علیحدہ آیت قرأت قرار دی جاتی تو اس میں جس قدر طوالت ہو سکتی تھی وہ مخفی نہیں۔ اسی وجہ سے باری تعالیٰ کا قول (وارجلکم) پاؤں کے دھونے اور موزوں پر مسح کرنے دونوں احکام کے لئے نازل ہوا جس کا لفظ تو ایک ہی ہے مگر اعراب (زبر زیر) کے اختلاف سے دونوں معنی اسی ایک لفظ سے پیدا ہوتے ہیں۔

۶۔ چھٹا فائدہ یہ ہے کہ بعض قرأتیں ایسی ہیں جو دوسری قرأتوں کے اجمال کی تفصیل کرتی ہیں اور اسکی وضاحت کرتی ہیں۔ مثلاً "یطّھرن" کی قرأت تشدید کے ساتھ اس کے تخفیف سے پڑھے جانے کے معنی کی وضاحت کر دیتی ہے اور "فامضوا الیٰ ذکر اللہ" کی قرأت اس بات کو صاف بتاتی ہے کہ فاسعوا کی قرأت سے صرف (نارمل) اور معمولی چال کے ساتھ جانا مقصود ہے اور دوڑنا مراد نہیں ہے۔ (الاتقان ج۔ اوّل)

(جاری ہے)

مفتی محمد رفیق الحسنی صاحب کی جدید مسائل پر خوبصورت تحقیق

چند اہم معاملات کا شرعی حکم

مشینی ذبحہ کی شرعی حیثیت۔ مسجد میں نماز جنازہ کا مسئلہ۔ انعامی بانڈز کی خرید و فروخت۔ قربانی کی کھالوں کی رقم مسجد پر خرچ کرنا۔ بائنہ کی عدت کے دوران وقوع طلاق کا حکم۔ اور دیگر ضمنی مسائل پر ایک نئی کتاب

ناشر: جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم گلستان جوہر بلاک ۱۵ کراچی